تبصرہ کتب

اقبال بنام شاد

مرتب : محمد عبداللہ قریشی
مبصر : ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

"ڈیر اقبال! کیا شاد جو اب تک بچشم ظاہری اپنے کو دور افتادہ لکھتا ہے، اس سے زیادہ اور کسی بات سے دل شاد ہو سکتا ہے کہ یہ حجاب مغارقت درمیان سے اٹھ جائے اور ایک شہر میں رہ کر روزانہ نہ سہی ہفتے میں دو چار بار تو اقبال سے ملاقات کرتا رہے۔"

(مہاراجہ کشن پرشاد کے ایک خط سے)

نام کتاب	اقبال بنام شاد
مرتب	محمد عبداللہ قریشی
ناشر	بزمِ اقبال، کلب روڈ۔ لاھور
سالِ اشاعت	۱۹۸۶ء
قیمت	۵۰ روپے
صفحات	۴۰۸
چھپائی	ٹائپ، سفید کاغذ، مجلّد

محمد عبداللہ قریشی صاحب ایک طویل مدّت سے تحقیق و تالیف کے کاموں میں مصروف ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی زیادہ تر توجّہ علامہ اقبال کی طرف ہے؛ چنانچہ حضرت علامہ سے متعلق اب تک ان کی کتنی کتب بازار میں آچکی ہیں جنہیں ملک کے موقّر اداروں نے شائع کیا ہے اور جن میں سے بعض پر وہ انعام بھی پا چکے ہیں۔ ان کی ہر کتاب علامہ سے متعلق کوئی نہ کوئی خاص، نیا اور دلچسپ پہلو لے کر آتی ہے۔

علامہ کے خطوط قریشی صاحب کا خاص موضوع ہیں اور اس ضمن میں وہ اب تک علامہ کے خطوط کے دو تین مجموعے ترتیب دے چکے ہیں جنہیں علمی و ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی ملی۔ ان میں 'مکاتیبِ اقبال بنام گرامی' اور اقبال صدی کے موقع پر تاریخ وار مرتّب کردہ 'روحِ مکاتیبِ اقبال' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

کتاب 'اقبال بنام شاد' جناب قریشی کے اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے جس میں سابق مسلم ریاست حیدر آباد دکن کے ہندو وزیرِ اعظم مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے نام علامہ کے، اور خود شاد

کے خطوط جمع کیے گئے ہیں۔ سرکشن پرشاد شاؔد خود ایک ادیب دشاعر تھے اور کئی کتب ان سے یادگار ہیں جن کی تفصیل قریشی صاحب نے مقدّمے میں دی ہے۔ شاؔد اربابِ علم و دانش اور اصحابِ شعر وادب کے بہت بڑے قدردان تھے جس کے سبب ان لوگوں سے ان کے خوشگوار اور گہرے تعلقات رہے۔ حضرت علاّمہ کے تو وہ قریبی احباب میں سے اور ان کے زبردست قدردان تھے۔ اسی بناء پر دونوں میں ایک مدّت تک خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ شاؔد کو چونکہ علاّمہ سے بہت عقیدت و محبّت تھی، اس لیے وہ ان کے خطوط اور اپنے جوابات کو محفوظ رکھتے رہے جنھیں شاؔد کی وفات (۱۹۴۰ء) کے دو سال بعد حیدر آباد کے مشہور ادیب و محقّق ڈاکٹر محی الدّین قادری زورؔ نے 'شادِ اقبال' کے نام سے کتابی صورت دی۔ یہ مجموعہ کُل ایک سو ایک خطوط پر مشتمل تھا جن میں سے ۵۲ خطوط مہاراجہ کشن پرشاد کے اور ۴۹ علاّمہ کے تھے۔

جیسا کہ فاضل مرتّب نے مقدّمے میں ایک جگہ لکھا ہے، مذکورہ مجموعے کی اشاعت کے چند برس بعد انھوں نے اپنی ادارت میں چھپنے والے مجلّے 'ادبی دنیا' کے لیے جب حیدر آباد کے اہلِ قلم حضرات سے خط و کتابت کی تو اسی دوران ان کو مزید ایسے پچاس خطوط کا پتہ چلا جو علاّمہ کی جانب سے مہاراجہ صاحب کو لکھے گئے تھے اور جو بوجوہ سامنے نہ آسکے تھے۔ تاہم بعد میں دستیاب ہونے پر فاضل مرتّب کی سعی سے اقبال اکادمی پاکستان نے وہ خطوط خرید لیے۔ یہ خطوط قریشی صاحب ہی کی طرف سے مجلسِ ترقیٔ ادب لاہور کے مجلّے 'صحیفہ' میں شائع کردیے گئے، اور پھر بزمِ اقبال کے ایما پر انھوں نے 'شادِ اقبال' اور ان خطوط کو ایک مجموعے کی صورت دے دی جو اب 'اقبال بنام شاؔد' کے نام سے ہمارے سامنے ہے اور جسے فاضل مرتّب نے بڑی محنت و کاوش سے مرتّب کرکے حوالے کی کتاب بنا دیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں ایک بسوط فاضلانہ مقدّمہ ہے جس میں فاضل مرتّب نے مذکورہ خطوط کے حصول کی تفصیل کے علاوہ مہاراجہ کشن پرشاد شاؔد کے سوانح حیات، شاؔد کی علاّمہ سے ملاقاتوں اور دونوں کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ فاضل مرتّب کے طرزِ نگارش نے اس باب کو خاصا معلوماتی اور دلنشیں بنا دیا ہے۔ اس میں شاؔد کی زندگی کے حالات کے علاوہ قریشی صاحب ان کی تصانیف کے حوالے سے ان کے علمی و ادبی اور صُلح کُل صوفیانہ مسلک سے متعلّق افکار و خیالات اور رجحانات سامنے لاتے ہیں جو دلچسپ بھی ہیں اور حیران کُن بھی، اور جن سے پتا چلتا ہے کہ شاؔد واقعی 'بامسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام' کی زندہ تفسیر و تصویر تھے اور متعصّب لوگوں کی 'بغل میں چھُری، منہ میں رام رام' کی خصلت سے کوسوں دُور تھے۔ وہ اگر ایک طرف مندروں میں جاکر قشقہ کھینچتے تھے تو دوسری طرف مسجدوں میں جاکر مسلمانوں

کے ساتھ نماز پڑھتے، مجالسِ عزا میں اشک بہاتے اور حال و قال کی محافل میں سر دُھنتے تھے (ص ۷)۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں جو عقیدت و وابستگی تھی، اُس کا اظہار بھی مقدمے میں، اُن کی تصانیف کے حوالے سے نظر آتا ہے (ص ۹، ۱۱)۔ اسی طرح صوفیاء سے بھی ان کی عقیدت کا پتا چلتا ہے (ص ۱۲) وہ تعصب اور نفرت کو بُری نظر سے دیکھتے اور خدائے واحد پر کامل بھروسا رکھتے تھے (ص ۱۷) مقدمے میں کسی حد تک اُس دور کی ادبی تاریخ کے بھی چند گوشوں پر روشنی پڑتی اور علامہ کی بعض منظومات کا پس منظر بھی معلوم ہوتا ہے (ص ۴۳، ۳۲)۔

فاضل مرتب نے علامہ پر لگائے گئے ایک الزام کا ٹھوس جواب علامہ ہی کے خط کی روشنی میں دیا ہے۔ وہ علامہ اور مہاراجہ کی دوسری ملاقات اور مہاراجہ کا علامہ کو اپنے قریب لانے اور فکرِ معاش سے آزاد کرنے کے سلسلے میں ان سے شایانِ شان وظیفے کی پیشکش وغیرہ کا ذکر کر کے، علامہ کے خط مورخہ ۲۶، اکتوبر ۱۹۱۳ء کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مذکورہ خط؛

"ان لوگوں کا منہ بند کر دینے کے لیے کافی ہے جو کہتے ہیں کہ 'خودی' کو بلند کرنے کی تلقین کرنے کے باوجود وہ ایک ہندو امیر کو خط میں لکھتے ہیں؛ 'میری تقدیر آپ کے ہاتھ میں ہے'۔ (... الخ) حالانکہ اقبال اپنے خطوں کے آئینے میں بھی اسی خیال کے نظر آتے ہیں کہ؛

کون باندھے اپنی قسمت غیر کی تقدیر سے!
مَیں تو کوسوں بھاگتا ہُوں قیدِ بے زنجیر سے" (ص ۴۳)

اس کے بعد مؤلف نے علامہ کا پُرا خط نقل کر دیا ہے جبکہ اُس کا یہاں حوالہ ہی کافی تھا؛ لیکن غالباً انہوں نے "قصہ زمین برسرِ زمین" کے مصداق ایسا کیا ہے۔ غرض، پورا مقدمہ مختلف اہم و دلچسپ جہتوں کا حامل ہے۔ اس میں نہ صرف مہاراجہ کے حالاتِ زندگی ہیں بلکہ علامہ اور مہاراجہ کے تعلقات، بعض تاریخی واقعات اور چند ایک نظموں اور اشعار کے پس منظر وغیرہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

خطوط کی طرف آئیں تو ان میں کسی قسم کا تکلف، بناوٹ اور تصنع نظر نہیں آتا، بالکل اسی طرح جس طرح دو گہرے دوست بے تکلف ماحول میں باتیں کر رہے ہوں، دونوں کو کسی قسم کے اِخفا کا خیال نہ ہو۔ نجی اور گھریلو باتیں، صاف ستھری، کھری کھری اور سچی سچی باتیں جو قاری کو دونوں کے اندر کا مشاہدہ کرا دیں۔ جناب احمد ندیم قاسمی کے بقول؛

"علامہ اور مہاراجہ کے درمیان ہونے والی یہ مراسلت پوست سے یکسر مغفوظ ہے، دونوں نے آپس میں بہت قریب کی ــــــ بہت اندر کی باتیں کی

ہیں۔ اور اس طرح دونوں شخصیتوں سے متعلق بے شمار نئے نئے گوشے
بے نقاب ہوتے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ ان خطوط کا جستہ جستہ مطالعہ ہو، اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ فاضل مرتب نے تقریباً ہر مکتوب کے ساتھ تعلیقات کا اضافہ کر کے اس کی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے، اور اس طرح پورا مجموعہ ایک زبردست حوالے کی کتاب بن گیا ہے۔ مقدمے کے آخر میں فاضل مرتب نے اس طرف اشارہ کیا ہے:

"خطوط کے بعض حصوں پر نوٹس کو میں نے 'تعلیقات' سے روشن کرنے کی جسارت کی ہے۔ جن جن رجال کا ذکر آیا ہے، اُن پر میں نے نوٹ لکھے ہیں۔ یہ نوٹ کئی جگہ طویل ہو گئے ہیں، مگر میرے خیال میں یہ طوالت نہایت ضروری تھی۔ میں نے کوشش کی ہے کہ بات اقبال کے حوالے ہی سے کی جائے اور اقبال نے جو کچھ ان سے متعلق کسی دوسری جگہ کہا ہے، وہ سب سمٹ کر یکجا ہو جائے تاکہ زندہ جاوید اقبال کے ذریعے ان شخصیتوں کو بھی نئی زندگی نصیب ہو جائے۔" (ص ۶۰)

۲۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے مکتوب کا ذکر گزر چکا، اس میں سے چند سطور ملاحظہ ہوں جو علامہ کی 'خودی' پر اعتراض کرنے والے شپرہ چشم اور متعصب اہلِ قلم کا منہ بند کرنے کے لیے کافی ہیں۔ علامہ نے اُس 'ہندو امیر' کو جس انداز میں خط لکھا یا جس طرح دوسرے خطوط میں انہیں خطاب کیا، وہ ان کے اخلاق و مروت کا تقاضا تھا، اور جیسا کہ مہاراجہ کے خطوط سے ملاحظہ ہو گا، انھوں نے بھی وہی انداز اختیار کیا ہے اور کہیں بھی اپنی مہاراجگی کا، کسی بھی طور، اظہار نہیں کیا اور نہ کہیں لہجہ حاکمانہ ہے۔

جہاں تک علامہ کی خودداری اور دیانت کا تعلق ہے، اُس کا اظہار انھوں نے بہر طور کیا اور اُس میں بھی اُس تقاضے کو پیشِ نظر رکھا:

"۔۔۔ مگر یہ بات مروت اور دیانت سے دور ہے کہ اقبال آپ سے ایک بیش قرار تنخواہ پاتے اور اس کے عوض میں کوئی ایسی خدمت نہ کرے جس کی اہمیت بقدر اس مشاہرے کے ہو۔" (ص ۷۷)

اسی ضمن میں دو ایک اور اقتباسات ملاحظہ ہوں، اور اس کے ساتھ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ کسی بھی خط میں ظاہرداری، تکلف اور اخفا سے کام نہیں لیا گیا۔ جو کچھ دل میں ہے، نوکِ قلم پر بے تکلف آ گیا ہے۔

"۔۔۔ اگرچہ خدا کے فضل و کرم سے ایسا بے نیاز دل رکھتا ہوں کہ خود اللہ میاں

بھی اُس پر رشک کریں ۔ ۔ ۔ ۔" (ص ۸۱)

"مقدر سے زیادہ اور وقت سے پہلے نہیں مانگتا ۔" (ص ۱۴۲)

"۔ ۔ ۔ ۔ جس حال میں ہُوں، شکرگزار ہُوں۔ شکایت میرے مذہب میں کُفر بلکہ شرک ہے۔" (ص ۱۹۳)

"میں نے اب تک اپنے معاملات میں ذاتی کوشش کو بہت کم دخل دیا ہے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو حالات پر چھوڑ دیا ہے اور نتیجے سے، خواہ وہ کسی قسم کا ہو، خدا کے فضل و کرم سے، نہیں گھبرایا۔ اس وقت بھی قلب کی یہی کیفیت ہے کہ جہاں اُس کی رضا لے جائے گی، جاؤں گا۔" (ص ۲۲۲ - ۲۲۳)

ان اقتباسات سے علامہ کی قناعت پسندی اور بے نیازی کا بھی پتا چلتا ہے اور ایسا انسان کبھی کسی دوسرے انسان کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کر سکتا اور نہ کسی کو اپنی تقدیر کا مالک سمجھ سکتا ہے۔

حیدری صاحب نے علامہ کو حیدر آباد یونیورسٹی کے بارے میں گفتگو کی خاطر بلایا تھا۔ اس آمد و رفت کا خرچ غالباً علامہ کو خود اُٹھانا تھا، وہ اپنی اقتصادی حالت کے پیشِ نظر نہ جا سکے۔ حالانکہ وہ سودا بازی کر سکتے تھے لیکن انہوں نے، ظاہر ہے محض اپنی خودداری کے سبب ایسا نہیں کیا؛ البتہ اپنی مجبوری ظاہر کر دی۔ اسی سلسلے میں وہ شاد کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"محض اِس غرض سے کہ وہ مجھ سے یونی ورسٹی اسکیم کی مفصل گفتگو کر سکیں، یا محض اُن کی ملاقات کے لیے، میں اپنے موجودہ حالات میں اِس قدر اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا؛ چنانچہ میں نے نہایت صاف دلی سے اُن کی خدمت میں یہ لکھ بھی دیا ہے۔ گرمی کی تعطیلوں میں آتا تو صرف آمد و رفت کے اخراجات تھے، انکم کے فقدان کا اندیشہ نہ تھا۔" (ص ۲۳۷)

علامہ کے ایک اور خط کا اقتباس ملاحظہ ہو جس سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ علامہ کسی طرح بھی مہاراجہ کے مرتبے سے مرعوب نہ تھے، اُن کے محض دوستانہ مراسم تھے اور بس، کسی قسم کا مفاد وابستہ نہ تھا۔ مفاد پرست انسان کبھی کسی صاحبِ اقتدار کی کسی تحریر کے بارے میں اِس قدر واشگاف انداز میں بات اور تنقید نہیں کرتا جس انداز میں علامہ نے کی ہے:

"نظم 'ست بچن' نہایت عُمدہ ہے مگر مجھے اُس کی اشاعت میں صرف اس وجہ سے تامل ہے کہ اِس خیال کی اِشاعت آپ کی طرف سے کئی دفعہ ہو چکی ہے، نظم میں بھی اور نثر میں بھی۔ اِعادہ بسا اوقات تکرار کا باعث ہو جاتا ہے اور

پڑھنے والا ممکن ہے کہ تکرار کو کسی اور وجہ پر محمول کرے۔ لیکن اشاعت مطلوب ہو تو اس میں جو شخصی عنصر ہے، اُسے نکال ڈالیے اور باقی اشعار پر نظرِ ثانی فرمائیے کیونکہ بعض بعض جگہ کئی الفاظ کھٹکتے ہیں۔" (ص ۱۱۵)

غرض ان باتوں کے علاوہ علامہ کے خطوط سے آپکی شگفتہ مزاجی، زندہ دلی، تاریخ گوئی، مالی حالت، بعض اشعار کی تشریح، بعض کے پس منظر، علامہ پر گزرنے والے بعض صدمات، ان کی بعض عادات اور اسی قسم کی دوسری مفید مطلب باتوں کا پتا چلتا ہے۔ چند مثالیں لائق ملاحظہ ہوں:

شگفتہ مزاجی و زندہ دلی

"نہیں صاحب، ہمارے عشق میں رشک کو دخل نہیں، ہم رقیبوں سے دل بہلا لیا کرتے ہیں۔" (ص ۸۲)

"مگر ہم تو آپ کی سیر پنجاب کے متعلق یہی کہتے ہیں ؎

دیرے بود کہ مارا بکنار آمد و رفت۔" (ص ۱۰۰)

"بھائی گدھا، یعنی پیٹ دم بھر کے لیے مہلت نہیں دیتا، 'لاؤ چارا لاؤ چارہ'! خدا اسے غارت کرے۔" (ص ۸۳)

بحث سے گریز

"۔۔۔ ورنہ کسی قسم کے بحث مباحثے کی مطلق ضرورت نہ تھی، نہ بحث کرنا میرا شعار ہے، بلکہ جہاں کہیں بحث ہو رہی ہو، وہاں سے گریز کرتا ہوں۔" (ص ۲۴)

لاہور میں ہوائی جہاز اڑانے کی تاریخ

"کل (۱۲ فروری ۱۹۱۷ء) لاہور میں عجیب و غریب نظارہ تھا، یعنی ہوائی جہاز اڑائے گئے۔ تمام مرد و زن اس نظارے کو دیکھنے کے لیے کوٹھوں پر اور میدانوں میں جمع ہو گئے، مگر: ؎

ہوا میں تیرتے پھرتے ہیں تیرے طیارے
مرا جہاز ہے محرومِ بادباں پھر کیا!" (ص ۲۰۳)

جوش ملیح آبادی کی زبردست سفارش

صفحہ ۲۷۹ -

"سر" کا خطاب ملنے کے بارے میں اظہار خیال

"سرکار (مہاراجہ) نے میرے خطاب کے متعلق جو کچھ سنا ہے، صحیح ہے۔ یہ

واسرار خودی' کا انگریزی ترجمہ ہونے اور اُس پر یورپ اور امریکہ میں متعدد ریویو چھپنے کا نتیجہ ہے۔ دنیوی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک قسم کی عزّت ہے مگر ہر عزّت فقط اللہ کے لیے ہے!" (ص ۲۷۳، ۲۷۴)

مثنوی 'اسرارِ خودی' کے حوالے سے علامہ کے خط (۱۴، اپریل ۱۹۱۶ء) کا بیشتر حصّہ نہایت اہمیت کا حامل ہے جس میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:

"۔۔۔ مگر قسم ہے اُس خدائے واحد کی جس کے قبضے میں میری جان و مال و آبرو ہے، مَیں نے یہ مثنوی از خود نہیں لکھی بلکہ مجھ کو اِس کے لکھنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ اور مَیں حیران ہوں کہ مجھ کو ایسا مضمون لکھنے کے لیے کیوں انتخاب کیا گیا۔" (ص ۱۶۳، ۱۶۴)

جیسا کہ پہلے بیان ہُوا، مہاراجہ کشن پرشاد شاؔد نے علامہ کو جو خطوط یا جوابات لکھے، وہ بھی سراسر دوستانہ تھے۔ ان میں کہیں بھی انہوں نے کوئی امیرانہ، حاکمانہ یا مہاراجگی کا لہجہ اختیار نہیں کیا۔ وہ آخر میں 'فقیر شاد' ہی لکھتے ہیں اور متن میں بھی ان کا لہجہ کچھ اسی ڈھب کا ہے۔ علامہ کے اِس جملے "میری تقدیر آپ کے ہاتھ میں ہے" کو اُس کے سیاق و سباق سے ہٹا کر اور دونوں کی باہمی محبّت و عقیدت اور اندازِ تخاطب کو سمجھے بغیر تنقیدی نظریے سے ساتھ پیش کرنے والوں کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کسی خاص مقصد کے تحت اپنے خُبثِ باطن کا مظاہرہ کیا ہے۔

مہاراجہ جی کے خطوط میں بھی بالکل ذاتی، نجی اور گھریلو قسم کی باتیں آگئی ہیں جو صرف خاص، گہرے اور بے دوستوں ہی سے کی جاتی ہیں۔ لیجیے وغیرہ کے ضمن میں ذرا یہ چند سطور ملاحظہ ہوں:۔

"میرے پیارے اقبال! خدا کے واسطے لاہور بلاؤ۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو خیر، درشن ہی دو!" (ص ۲۹۷)

"بھئی اقبال! جب کہ آپ اپنے کو شرمندۂ عُقبیٰ کہتے ہو تو مَیں اپنے آپ کو کیا کہوں۔ شرمندۂ دنیا و عُقبیٰ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ آپ چھُپے رستم ہو۔ خدا خوش رکھے، سلامت رکھے! میرے لیے دعا تے خیر کرو کہ جلد فرائض سے، اولاد کے، چھٹکارا ہو کر آزادی کا جامہ پہن لوں۔" (ص ۲۹۷)

"آپ کے سچّے خلوص نے مجھے بھی ایسا گرویدہ بنا رکھا ہے جس کی شہادت آپ ہی کا دل بخوبی ادا کر سکتا ہے۔ لفظاً اُس کا اظہار ظاہر پرستی پر مبنی ہو جانے کا احتمال ہے جس سے شاؔد اور اقبالؔ، دونوں کے دل کوسوں بلکہ منزلوں دُور

ہیں۔" (ص ۳۰۷)

"شاید آپ نے دُور افتادہ شادِ ناشاد کی یاد دل سے محو کر دی۔ ہر وقت چشم انتظار کرتی رہتی ہے کہ پیارے اقبال کا محبت نامہ آئے اور مُژدہ خیر و عافیت سے شادمانی حاصل ہو۔" (ص ۳۴۵)

غرض، مہاراجہ جی کے خطوط سے جہاں ان کی علامہ سے بے پناہ محبت و یگانگت بلکہ عقیدت کا پتا چلتا ہے، وہاں وہ خود ان کی اپنی درویش منشی، توحید پرستی، صُلحِ کُل مسلک اور انسان دوستی وغیرہ کی زبردست غمازی کرتے ہیں۔ اِس لحاظ سے کتاب 'اقبال بنام شاد' اگر ایک طرف حوالے کی کتاب اور دو اہم شخصیات کا ایک حد تک ذاتی اور گھریلو البم ہے تو دوسری طرف عام قاری کے لیے دلچسپی کا سامان بھی لیے ہُوئے ہے۔

طباعت کی اغلاط ہماری کتابوں کا 'نظر بٹُو' ہیں۔ یہ نظر بٹُو جب شعروں میں بھی دخیل ہو جاتے تو پھر کچھ زیادہ کھَلتا ہے۔ چنانچہ چھوٹی موٹی دوسری اغلاط سے صَرفِ نظر کرتے ہُوئے چند واضح اغلاط:۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۶۶	۶	حاذوق	حاذق
۲	۱۲۸	۱۵	چاہتے	چاہتے ہیں
۳	۱۴۳	۱۱	درمانِ ہجراں	درمان اضافت کے ساتھ غلط ہے یہاں کوئی لفظ رہ گیا ہے۔
۴	۱۶۲	۴	باد	یاد (شعر)
۵	۱۷۹	۸	بندوست	بندولست (شعر)
۶	۲۲۴	۱۲	مجاذ	مجاز

فارسی میں دو مصادر گذشتن (گُذرنا، ذال کے ساتھ) اور گُزاردن (زا کے ساتھ۔ ادا کرنا، بجالانا) الگ الگ معنوں میں مستعمل ہیں لیکن اُردو والوں نے اِملا کے معاملے میں دونوں کو گڈ مڈ کر دیا ہے۔ کم از کم فارسی اشعار میں تو اِس کا لحاظ ضروری ہے، مگر افسوس کہ ایسا نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ کتاب زیرِ تبصرہ III میں بھی فارسی اشعار میں گذشتہ (ذال کے ساتھ) کو گزشتہ (زا کے ساتھ) اور (گذرد کو گُزرد) لکھا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

صفحہ، ۲۹۴، آخری سطر، سُخنِ گزشتہ (اِس اِملا سے یہ بے معنی بن گیا ہے۔)

" ، ۳۰۴، وہی شعر وہی اِملا۔

" ، ۳۱۸/۹، می گزرد، (گُذرد ٹھیک ہے۔ یہاں بھی زا سے بے معنی ہے۔)

"کلیدِ اقبال" پر ایک نظر

مُبصر: وارث سرہندی

نام کتاب:	کلیدِ اقبال
مرتب:	محمد یونس حسرت
ناشر:	اقبال اکادمی پاکستان، لاہور
سالِ اشاعت:	۱۹۸۶ء
قیمت:	۸۰ روپے
صفحات:	۳۶۸
چھپائی:	کتابت، سفید کاغذ، مجلد

علامہ اقبال مرحوم کے فکر و فن اور سیرت و کردار پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ بظاہر کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آتا جو توجہ کا محتاج ہو مگر دقّت پسند اور باریک بیں حضرات کوئی نہ کوئی ایسا پہلو یا گوشہ تلاش کر ہی لیتے ہیں جہاں عام لوگوں کی نگاہیں نہیں پہنچتیں۔ ایسے ہی دقیق النظر اصحاب میں ہمارے دوست محمد یونس حسرت بھی شامل ہیں۔ موصوف نے اقبالیات کا ایک ایسا پہلو تلاش کر لیا جو قابلِ توجہ تھا اور اپنی تلاش و جستجو کا ماحصل 'کلیدِ اقبال' کی صورت میں پیش کر کے اپنی دقّتِ نظر کا ثبوت بھی فراہم کر دیا۔

'کلیدِ اقبال' یوں تو کلامِ اقبال کا ایک اشاریہ ہے مگر یہ اشاریے سے بڑھ کر بھی بہت کچھ ہے۔ عام اشاریوں میں عموماً اسماء و اعلام کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن 'کلیدِ اقبال' میں صرف اسماء و اعلام کے شمول پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اقبال کے کلام میں استعمال ہونے والا ہر لفظ اس میں شامل ہے۔ اس لحاظ سے یہ محض ایک رسمی نوعیت کا اشاریہ نہیں بلکہ ایک لحاظ سے کلامِ اقبال کی مکمل فرہنگ بھی ہے؛ تاہم فرہنگ سے کسی قدر مختلف بھی ہے، وہ اس طرح کہ اس میں شامل الفاظ و تراکیب کے معانی و مطالب نہیں دیے گئے۔ اس کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اس نوعیت کی اور بہت سی کتابیں موجود ہیں۔

جہاں تک اشاریے کا تعلق ہے، یہ صنف اب اُردو کے لیے نئی نہیں رہی۔ اُردو کی ہر اہم کتاب میں اشاریہ شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ کلامِ اقبال بھی اشاریے سے محروم نہیں۔ جیسا کہ خود مرتّب نے اپنے دیباچے میں ذکر کیا ہے، کلامِ اقبال کا پہلا اشاریہ محمد حنیف شاہد کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ ان اشاریوں کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ منصور بی۔ اے کے اشاریے پر 'الفضل للمتقدم' کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ ان اشاریوں کا انداز روایتی قسم کا ہے، یعنی ان میں عموماً اسماء کو شامل کیا گیا ہے۔ مثلاً محمد حنیف شاہد کے اشاریے میں حسبِ معمول شخصیات، اماکن اور موضوعات کے عنوان قائم کر کے کلامِ اقبال کے مشمولات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان اشاریوں میں مرتبین نے کلامِ اقبال کے تمام مندرجات کا استقصا کرنے کے بجائے، اپنے اختیاراتِ تمیزی سے کام لیتے ہوئے، بعض مقامات و مسائل کو نظر انداز کر دیا ہے اس لیے مذکورہ بالا دونوں اشاریوں میں مشمولات کی تعداد میں یکسانی موجود نہیں۔ یہی عدم توافق جہاں اس بات کا ثبوت ہے کہ ان میں کلامِ اقبال کا مکمل طور پر استقصا نہیں ہوا، وہاں ایک جامع و مانع اشاریے کا متقاضی بھی ہے۔ اسی اقتضا کا جواب 'کلیدِ اقبال' ہے۔ چنانچہ 'کلیدِ اقبال' کو بلا مبالغہ اور بلا خوفِ تردید ایک جامع و مانع اشاریۂ کلامِ اقبال کہا جا سکتا ہے۔

مرتّب نے اپنے اس اشاریے میں شخصیات، اماکن اور موضوعات کی تقسیم کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا ہے اور کلامِ اقبال میں استعمال ہونے والے ہر لفظ کو اپنے اشاریے میں شامل کر کے ان صفحات کا حوالہ درج کر دیا ہے جن پر یہ لفظ درج ہے۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اقبال نے کسی لفظ کو کتنی بار اور کہاں کہاں استعمال کیا ہے، وہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اقبال نے اپنے کلام میں کل کتنے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ گویا یہ اقبال کے ذخیرۂ الفاظ کی ترتیب وار فہرست بھی ہے جس سے اقبال کے زبان پر عبور کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

اشاریہ سازی بہت پتّہ ماری کا کام ہے۔ خود مجھے بھی ایک بار اس کا عملی تجربہ ہو چکا ہے۔ اور جب اشاریہ ایسا جامع اور مانع ہو جیسا کہ 'کلیدِ اقبال' کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، تو اس کے لیے جس قدر محنت اور دِقّتِ نظر کی ضرورت ہے، اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ کوہ کنی اور ریزہ چینی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ مجھ جیسے کاہل لوگوں کو تو اس کے تصور ہی سے وحشت ہوتی ہے، مگر حسرت صاحب کا دل گردہ ہے کہ وہ یہ زہرہ گداز مہم نہایت کامیابی سے سر کر کے جہاں خود سرخرو ہوتے ہیں، وہاں مشتاقانِ کلامِ اقبال کے لیے بھی ایک خوانِ نعمت سجا دیا ہے۔ بلاشبہ 'کلیدِ اقبال' اقبالیات کے شعبے میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔

جہاں تک اختلافِ رائے کا تعلق ہے تو وہ کہاں ممکن نہیں! ہر مقام اور ہر جگہ پر اختلاف ہو سکتا ہے

کیونکہ ہر شخص کا ایک اپنا نقطۂ نظر اور اندازِ رسائی ہوتا ہے، لیکن دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اختلاف بنیادی نوعیت کا ہے یا جزوی اور فروعی حیثیت کا۔ مثلاً ایک نقطۂ نظر سے 'آب' کے تحت درج ہونے والی تراکیب مثلاً آبِ رودِ گنگا، آبِ نیل، آبِ گنگا، آبِ رواں، آبِ روانِ کبیر پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ان کو ترکیبی صورت میں درج کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ان میں 'آب' کسی خاص یا اصطلاحی معانی میں نہیں بلکہ اپنے عام اور لغوی معانی میں استعمال ہوا ہے اس لیے 'آب' کا حوالہ 'آب' کے تحت اور دوسرے اجزا کا حوالہ اپنے اپنے مقام پر درج کر دینا کافی تھا۔ مگر مرتب نے اس میں قارئین کی سہولت کو مدِ نظر رکھا ہے کیونکہ موجودہ صورت میں قارئین 'کلامِ اقبال' میں استعمال ہونے والی مکمل ترکیب آسانی سے تلاش کر سکتے ہیں، دوسری صورت میں اجزائے ترکیب مختلف حوالوں میں بکھرے ہونے کے باعث اُلجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ تاہم مرتب نے ان تراکیب کو بحیثیت مجموعی شامل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے اجزا بھی الگ الگ مقام پر درج کر کے ان کے حوالے دے دیے ہیں۔

البتہ بعض تراکیب ایسی ہیں کہ ان کا اندراج مجموعی ترکیب کی حیثیت ہی میں ضروری تھا۔ مثلاً آبِ آتش ناک، آبِ بقا، آبِ خضر وغیرہ میں محض 'آب' ہی کے لغوی معانی اور حقیقی معانی جاننے سے بات نہیں بنتی کیونکہ 'آب' اور 'آتش ناک' کو الگ کر دینے کی صورت میں اس ترکیب کا مجموعی مفہوم ذہن میں نہیں آ سکتا، مثلاً 'آب' کے معانی پانی ہیں اور 'آتش ناک' کے معانی آگ والا یا گرم۔ اس صورت میں اس کے لغوی معانی گرم پانی کے ہوں گے مگر مجموعی صورت میں 'آبِ آتش ناک' شراب یا خمر کا کنایہ ہے۔ یہ مفہوم پوری ترکیب ہی سے متبادر ہو سکتا ہے اس کے الگ الگ اجزا سے نہیں۔ یہی حال 'آبِ بقا' اور 'آبِ خضر' کا ہے۔ ان کو بھی الگ الگ اجزا کی صورت میں لکھنے سے اصل مفہوم واضح نہیں ہوتا کیونکہ ترکیبی صورت میں ان کی حیثیت تلمیح کی ہے اور اس سے مخصوص معانی معانی پیدا ہوتے ہیں، لیکن الگ الگ اجزا کی صورت میں نہ تلمیحی صورت باقی رہتی ہے نہ ان مخصوص معانی کا اظہار ہوتا ہے۔ مرتب نے ان کے مجموعی حوالے کے ساتھ ساتھ ان اجزا کے حوالے بھی درج کر دیے ہیں تاکہ کوئی شخص ترکیبی صورت سے ہٹ کر ان اجزا کو کلامِ اقبال میں تلاش کرنا چاہے تو اسے بھی مایوسی نہ ہو۔

بہر حال 'کلیدِ اقبال' موجودہ صورت میں ایک مکمل اشاریہ ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اقبال کے اُردو کلام کے ہر رنگ اور ہر پہلو کا عکس نظر آتا ہے۔

'کلیدِ اقبال' علامہ مرحوم کے اُردو کلام کا آئینہ ہے۔ فارسی کلام کا اشاریہ حسرت صاحب الگ مرتب کر رہے ہیں۔ اگر اس کے نام کے ساتھ 'اُردو' کا اضافہ کر دیا جاتا یعنی اس کا نام 'کلیدِ اقبال۔ اُردو' ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا کیونکہ محض 'کلیدِ اقبال' سے یہی خیال ذہن میں آتا ہے کہ یہ اقبال کے اُردو اور فارسی

کے پورے کلام کا اشاریہ ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ مرتب، اُردو اور فارسی کلام کے الگ الگ اشاریے ترتیب دے رہے ہیں لہٰذا ان کے ناموں میں بھی یہ رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے۔ چنانچہ اُردو کلام کے اشاریے کا نام 'کلیدِ اقبال۔ اُردو' اور فارسی کلام کے اشاریے کا نام 'کلیدِ اقبال۔ فارسی' رکھنے سے یہ التباس دُور ہو سکتا ہے۔

مثنوی رُومی میں ذکرِ رسولؐ

تبصرہ : ڈاکٹر وحید عشرت

نام کتاب :	ذکرِ رسولؐ، مثنوی رومی میں	
مصنف :	ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی	
ناشر :	مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور	
قیمت :	-/۲۵ روپے صرف طبع اوّل	

صفحات ، ۲۵۰ ، کاغذ سفید مجلد گردپوش معمولی

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی فارسی کے کہنہ مشق استاد اور ہماری ادبی دنیا کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ مثنوی رومی میں ذکرِ رسولؐ کے بیشتر مقالے سہ ماہی اقبال ریویو اور سہ ماہی اقبال لاہور میں ایک تواتر کے ساتھ چھپ چکے ہیں۔ اور علمی اور ادبی حلقوں میں اپنے متنوع موضوع کے حوالے سے پسند کیے گئے ہیں۔ اب یہ کتابی شکل میں شائع ہوئے ہیں۔

مثنوی مولانا روم جسے در زبان پہلوی، قرآن کہا گیا ہے، اسلامی شعر و فکر میں منفرد اور ممتاز مقام کی حامل ہے۔ اس میں اشعار کی زبان میں قرآن کی تعلیمات اور تعلیمات قرآنی کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ کچھ ایسے دلنشیں اور حکایاتی پیرائے میں ہمارے سامنے آتی ہیں کہ ذہن و کردار پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے بغیر نہیں رہتیں۔ مثنوی مولانا روم پر تحقیقی کام کا خود ایک دبستان موجود ہے مگر برصغیر پاک و ہند میں مثنوی کو متعارف کرانے میں حضرت علامہ محمد اقبال کا نام سرفہرست ہے۔ علامہ اقبال مولانا کو اپنا روحانی اور فکری امام تصور کرتے تھے۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ فکر اقبال پر مولانا روم سے زیادہ کسی کے اثرات موجود نہیں ہیں۔ ہر وہ شخص جو اقبال کو سمجھنا چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ مثنوی سے گہری تفہیم حاصل کرے۔

مثنوی کی تفہیم میں ایک بڑا وقیع کام ایرانی محقق فروزاں فر نے احادیثِ مثنوی کے نام سے کیا تھا۔ یہ کام دینی علمی جہت سے بڑا اہم تھا اس لیے کہ مثنوی کے اشعار کے احادیث میں ماخذ تلاش کرنا اور احادیث کے تمام مجموعوں سے

ان کا کھوج لگانا بہت ہی محنت طلب کام تھا اسی کام نے مثنوی کے بارے میں تحقیق و تدوین کے کئی نئے باب وا کیے۔ چنانچہ فرزانِ فر کے ایک پاکستانی شاگرد ڈاکٹر عبداللطیف نے آیاتِ مثنوی کے نام سے ایک اہم کام کیا ہے جو اقبال اکادمی پاکستان نے کروایا ہے اور جو تدوین و اشاعت کی منزل میں ہے۔ تاہم ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا کام آیاتِ مثنوی سے قبل کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کافی عرصے سے اس پر تحقیق کر رہے تھے اور مختلف رسائل میں ایک تواتر کے ساتھ اس کی اشاعت ہوتی رہی ہے۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کا آسان فہم ہونا اور عام قاری کے لیے مثنوی تک رسائی کا بہ آسانی بہم پہنچانا ہے۔ اس کتاب میں مشکل مسائل سے دانستہ تعارض کیا گیا ہے۔ چنانچہ مثنوی کے عام قارئین کے لیے اس کی تفہیم بہت آسان ہو گئی ہے۔ مثنوی کے چھ دفاتر کی طرز پر اس کتاب کے بھی چھ ہی ابواب بنائے گئے ہیں اور ہر باب میں موجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ خیر کی تفصیل دی گئی ہے۔ بلکہ کئی جگہ تو احادیث اور آیات کا حوالہ موجود ہے اس سے یہ کتاب زیادہ مفید ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مثنوی کے وہ اشعار جن میں ذکرِ رسول آیا ہے درج کر کے ان اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا حوالہ بھی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور اگر اس ضمن میں کوئی واقعہ بیان ہوا ہے تو اسے بھی مفصل طور پر عیاں کر دیا ہے۔ پھر مختلف جگہوں پر ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب بہت محنت طلب کام ہے جو ڈاکٹر صاحب نے بڑی توجہ، انہماک اور محنت سے سرانجام دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریر کی ایک بڑی خوبی، تحریر کی پختگی، سلاست اور آسان فہم زبان ہے۔ مثنوی رومی جیسی کتاب کو اتنے سادہ اور دلنشیں انداز میں پیش کرنا انہی کا حق بنتا ہے۔ اور انھوں نے اس ضمن میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ دعا ہے کہ خدا ڈاکٹر صاحب کو اس محنت اور حضورؐ سے محبت کی جزا عطا فرمائے۔

تاہم جیسا کہ خود ڈاکٹر صاحب نے اپنے پیش گفتار میں لکھا ہے کہ "انہیں پیش کرتے وقت فلسفیانہ اور ادق مباحث سے دانستہ دامن بچاتے ہوئے سیدھا سادا انداز اختیار کیا گیا ہے"۔ اگر اس کتاب کی عام فہم ہونے کے حوالے سے یہ خوبی ہے تو یہی اس کی کمی بھی ہے۔ یہ کتاب مثنوی رومی کو ایک عام قاری کے لیے تشریح مطالب میں گرہ کشا تو ہو سکتی ہے مگر مثنوی کے گہری مضامین کی تفہیم میں زیادہ مددگار ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس طرح مثنوی کے مضامین میں زیادہ گہرائی میں اترنے کی خواہش رکھنے والوں کی یہ کتاب کوئی خاص یاوری نہیں کرتی۔ اہلِ علم اور فلسفے کا درک رکھنے والوں کو یہ کتاب متاثر نہیں کرتی۔ اور یوں یہ کتاب ایک محدود دائرے میں گھِر کر رہ گئی ہے مثلاً اگر اس کتاب میں یہ بات بھی آ جاتی کہ مثنوی رومی میں ذکرِ رسولؐ سے حضورؐ کی جو شخصیت ابھرتی ہے وہ کیا ہے تو مثنوی کے حوالے سے حضورؐ کے مقام کی تفہیم میں سہولت ہوتی۔ مثنوی میں مدارج نبوت اور مقامِ نبوت کے جو مضامین ہیں ان سے یہ کتاب تہی ہے پھر مولانا روم نے شعورِ نبوت کے حوالے حضورؐ کے دوسرے

انبیا پر فضائل کی جو باتیں کی ہیں وہ ایک الگ باب کا موضوع ہیں۔ مثنوی رومی میں ذکرِ رسولؐ سے بھی ان تمام اشعار کا علم اور ان کا ترجمہ اور خلاصہ تو معلوم ہو جاتا ہے جو مولانا روم کے اشعار سے مترشح ہے مگر اس بات کا ابلاغ نہیں ہوتا کہ مولانا کے نزدیک حضورؐ کا وہ کیا پیکرِ انسانیت تھا جو ہم سب کے لیے ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ معاف، زندگی میں حضورؐ کا وہ مثالی پیکر مولانا روم کے نزدیک کیا خصائص رکھتا ہے جسے ہم اپنا کر انؐ کی ذات والاصفات کے قریب ہو سکتے ہیں۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کس طرح مولانا روم کے حوالے سے حضورؐ کی تعلیمات موثر ہو سکتی ہیں۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب کا رویّہ تحقیقی ہے اور ڈاکٹر صاحب چاہتے تو وہ اس کتاب میں تخلیقی رویّہ اختیار کرتے ہوئے اشعار اور ان کی تشریح کا منہاج اپنانے کی بجائے ہمارے متذکرہ صدر سوالات کے حوالے سے مثنوی کے اشعار و حکایت کے زیر و بم سے حضورؐ کا وہ پیکر سامنے لاتے جو مولانا روم کے پیشِ نظر تھا اور جس نے پوری مثنوی کو مشک بار بنا رکھا ہے۔ میرا ایک تاثر یہ ہے کہ مثنوی میں حضورؐ کا جو سراپا اور جو شخصیت موجود ہے وہ اتنی پُرتاثیر اور اتنی دلآویز ہے کہ وہ ہماری عقلی اور ذہنی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے اندر تحویلِ کردار کی قوت پیدا کر سکتی ہے اور یہی وہ اخلاقی معیار فراہم کر سکتی ہے جو عصرِ جدید میں ایک مثالی انسان کی تشکیل اور ایک مثالی معاشرے کے قیام میں راہ نما قوت بن سکتی ہے۔ لہٰذا ہمارے سیرت نگاروں اور حضورؐ کے سراپا نگاروں کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ وہ حضورؐ کی سیرت کے ان فعال پہلوؤں کو منظر میں لائیں جو آج کے عہد کے لیے نمونۂ بشریت اور نمونۂ انقلابِ اجتماعی کا سبب بن سکیں۔ حضورؐ کے سیرت نگاروں کی اکثریت اس طرزِ فہم سے عاری ہے اور وہ محض واقعات نگاری اور واقعات کی جزئیات نگاری پر ہی اپنی قلم کی تمام تر جولانیوں کو ختم کر دیتے ہیں۔ اور سیرت نگاری کے بنیادی جوہر اور محرک کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ باتیں مصنف کے دائرہ کار میں نہیں آتیں تو مجھے اس سے بھی اختلاف نہیں۔ میرا مقصد تو ایک بنیادی بات کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ کتاب اپنی منہاج اور نوع کے اعتبار سے لاکھ مکمل سہی مگر ہمیں اکیڈمک رویے کے ساتھ ساتھ عمرانی تناظر کو بھی مدِنظر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ ہماری ہر علمی سرگرمی کا مقصد علمی جہت میں اضافے کے ساتھ ساتھ عمرانی تبدیلی کی خواہش پر منتج ہونا چاہیے۔

بہرحال ان سخن گسترانہ باتوں کے باوجود مجھے یہ کہنے میں خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا یہ محققانہ کام بہت وقیع ہے اور مثنوی کے قارئین اور سیرتِ رسولؐ کے شائقین کے لیے انہوں نے مثنوی کے حوالے سے ایک نئی جہت کو وا کیا ہے۔ ان کی کتاب نہ صرف دنیا میں ان کے لیے شہرت اور ناموری کا باعث بنے گی بلکہ ان کے لیے یہ توشۂ آخرت بھی بنے گی کہ ذکرِ رسولؐ ہی ہم سب کے لیے

سرمایۂ حیات ہے اور یہ ذکر تو وہ ذکر ہے جسے خود خدا نے رفعت و سربلندی عطا کی ہے۔ مجلس ترقی ادب اور اُن کے ناظم جناب احمد ندیم قاسمی بھی مبارک باد کے حق دار ہیں کہ انہوں نے اتنی مبارک کتاب شائع کی۔

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغِ سکندری

حوالہ جات

اشاریۂ اقبالیات

جولائی ۸۳ء تا جولائی ۸۶ء

مرتبین: محمد سہیل عمر
مختار احمد

اشاریہ اقبالیات

مرتبین: محمد سہیل عمر / مختار احمد

اشاریہ 'اقبالیات'

(اقبال ریویو)

جولائی ۸۳ء تا جولائی ۸۶ء

اقبال اکادمی پاکستان کا سہ ماہی مجلّہ 'اقبال ریویو' جس کے جنوری اور جولائی کے شمارے اُردو اور اپریل اور اکتوبر کے شمارے انگریزی میں ہوتے ہیں، اپریل ۱۹۶۰ء میں جاری ہُوا۔ اس کے اجرا کا مقصد علامہ اقبال کی زندگی، شاعری اور حکمت کے مطالعے پر مشتمل مقالات شائع کرنا ہے جو سیاسیات، اخلاقیات، تعلیم، تاریخ، معاشیات، فلسفہ، عمرانیات، نفسیات، ادب، فن، تقابلِ مذاہب اور اسلامیات وغیرہ پر اقبال کی تشریح اور توضیح کریں یا جو ان موضوعات سے متعلق ہوں جن سے علامہ اقبال کو دلچسپی تھی۔ 'اقبال ریویو' کے انگریزی اور اُردو مقالات کے اشاریے قبل ازیں شائع ہو چکے ہیں۔ 'اقبال ریویو' اُردو کا اشاریہ جولائی ۸۳ء کے شمارے میں (جولائی ۱۹۶۰ء تا جنوری ۱۹۸۳ء) شائع ہُوا جسے افضل حق قرشی نے مرتب کیا ہے۔

'اقبال ریویو' کا موجودہ اشاریہ جولائی ۸۳ء سے جولائی ۸۶ء کے مقالات پر محیط ہے۔ اس اشاریے میں 'اقبالیات' فارسی کا اشاریہ بھی دیا گیا ہے جو پہلی بار ۱۹۸۶ء میں شائع کیا گیا۔ 'اقبال ریویو' کے اُردو جریدے کا نام اقبال اکادمی کی مجلسِ حاکمہ کے ایک فیصلے کے تحت جولائی ۸۵ء سے 'اقبالیات' کر دیا گیا تھا۔

'اقبال ریویو' اور 'اقبالیات' کے اس دَور میں مجلّے کے مدیر معتمد پروفیسر محمد منور ناظم اقبال اکادمی، نائب مدیر محمد سہیل عمر نائب ناظم اور مدیرانِ معاون ڈاکٹر وحید عشرت معاون ناظم (ادبیات) اور احمد جاوید ریسرچ سکالر رہے ہیں جبکہ 'اقبالیات' فارسی کے لیے اعزازی طور پر نگران مدیر و معاون ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری تھیں۔

(ادارہ)

آ

آزاد، جگن ناتھ

- "اقبال کی ایک نظم میں اصناف سخن"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۵ء، ج ۲۶ : ش ۴، ص ۸۹ ـ ۱۱۵
- "محمد اقبال (روسی محقق سید میر شنکر کی کتاب مترجمہ کبیر احمد جائسی کا خصوصی مطالعہ)"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء، ج ۲۶ : ش ۲، ص ۱۳۹ ـ ۱۵۴
- "اقبال پر داغ کے اثرات"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷ : ش ۲، ص ۵۵ ـ ۹۴

احمد جاوید

- تبصرہ بر "رسالہ ابدالیہ و رسالہ انسیہ" از مولانا یعقوب چرخی، اقبالیات، جنوری ۸۶ء، ج ۲۶: ش ۴، ص ۱۸۷ ـ ۱۹۲
- مترجم، "عقل اور وجدان" از سید حسین نصر، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷ : ش ۲، ص ۲۵۱ ـ ۲۶۱

احمدی، مریم میر

- "جہان بینی آل احمد، پژوہشی تاریخی در آثار آل احمد"، اقبالیات (فارسی) شمارہ اول، فروری ۱۹۸۶ء

ص ۱۵۱ - ۲۵۶

اختر، کلیم

- "بالِ جبریل منظوم کشمیری اور سنسکرت تراجم"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء، ج ۲۶: ش ۲، ص ۱۳۳ - ۱۳۸

اختر، نسرین

- "سعدی و اقبال"، اقبالیات (فارسی) شمارہ اول، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۳۹ - ۴۹

آفتاب اصغر، ڈاکٹر

- ترجمہ "اقبال اور اشپنگلر"، اقبالیات (فارسی)، شمارہ اول، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۱۵۱ - ۲۹۴

انور جاوید

- تبصرہ بر "تاریخ مشغلہ" از محمد اکرام چغتائی، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶: ش ۴، ص ۲۲۱ - ۲۱۴

ب

برکاتی، محمود احمد

- "حکیم ابن الہیثم کے نظریۂ مکان پر ایک نظر"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۵ء، ج ۲۵: ش ۴، ص ۸۱ - ۸۷

پ

پاشا، احمد شجاع، حکیم

- "اقبال کا تصور خودی"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷: ش ۲، ص ۱۱۹ - ۱۳۲۔

ج

جمیل جالبی، ڈاکٹر

- "علامہ اقبال خطوط کے آئینے میں"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷: ش ۲، ص ۱۳۳ - ۱۵۱

چ

چشتی، یوسف سلیم

- "ڈاکٹر رادھا کرشنن اور علامہ اقبال"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷: ش ۲، ص ۷ - ۵۴

چغتائی، محمد اکرام

- تبصرہ بر "قرآن کی ببلیوگرافی" از محمد عادل عثمان، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶: ش ۴، ص ۲۰۵ - ۲۱۰

ح

حسن اختر، ڈاکٹر ملک

- "طالب علم اقبال"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴: ش ۲، ص ۱۱۹ - ۱۲۵
- تبصرہ بر "اقبال کا تصور خدا" از ڈاکٹر احسان رشید، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴: ش ۲، ص ۱۹۷ - ۱۶۲
- "اقبال اور ابن خلدون"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴: ش ۴، ص ۱۸۹ - ۲۰۶
- تبصرہ بر "اقبال ——— فن اور فکر" از جگن ناتھ آزاد، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴: ش ۴، ص ۲۶۸
- "اقبال اور عزیز احمد"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۴ء، ج ۲۵: ش ۲، ص ۳۱ - ۴۷
- "علامہ اقبال کا سلسلہ ملازمت"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۵ء، ج ۲۵: ش ۴، ص ۱۱۷ - ۱۳۸

حسین، ڈاکٹر سلطان محمود

- "اقبال کی پہلی جماعت کا نتیجہ"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴: ش ۲، ص ۱۴۸ - ۱۶۲

حقیقت، عبدالرفیع

- "تضمین غزل علامہ اقبال لاہوری"، اقبالیات (فارسی)، شمارہ اول، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۲۰۳ - ۲۰۴

ر

رسول رسا، میاں

- "علامہ اقبال اور افغان"، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶: ش ۴، ص ۵۳ - ۶۷

رضوی، شہزادہ حسن سید

- "اقبال شاعر متفکر انقلابی اسلامی"، اقبالیات (فارسی) شمارہ اول، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۱۳ - ۳۷

س

سلطان مقصود

- "کچھ یادیں"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴: ش ۴، ص ۲۰۷ - ۲۱۱۔

سلیم اختر، ڈاکٹر

- "علامہ اقبال اور زوال آدم"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۴ء، ج ۲۵: ش ۲، ص ۹۱ - ۱۰۹

ش

شان یون

- "ارمغانِ چین — علامہ اقبال اور ان کی شاعری"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء ج ۲۶، ۲، ص ۷-۱۵

شاہین، رحیم بخش

- "اقبال کا ایک نادر مکتوب"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۴ء ج ۲۵: ش ۲، ص ۱۱۱-۱۱۹
- "اقبال کا تیسرا سفر یورپ — چند روایات کا تجزیہ"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء، ج ۲۶: ش ۲
ص ۱۱۷-۱۳۲

شکیل احمد، سید

- "حیاتِ اقبال کے چند نئے گوشے"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء ج ۲۶: ش ۲، ص ۱۱-۵۴

ص

صابر کلوروی

- "ذخیرۂ اقبالیات فاران کراچی میں"، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء ج ۲۶: ش ۴، ص ۱۴۵-۱۵۲

صباح الدین عبدالرحمٰن، سیّد

- تبصرہ بر "زندہ رود" تیسری جلد از جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶: ش ۴
ص ۱۵۴-۱۷۳

صدیق شبلی، ڈاکٹر

- تبصرہ بر "اقبال یورپ میں" از ڈاکٹر سعید اختر درانی، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷:
ش ۲، ص ۲۷۸-۲۸۳

صدیق جاوید

- "بالِ جبریل کی غزلیں"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء ج ۲۴: ش ۲، ص ۹۳-۱۱۷

- "تنقیدِ غالب میں اقبال کا حصہ"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴: ش ۴، ص ۲۲۱-۲۴۳

صدیقی، ظہیر احمد

- "تصورِ ابلیس — در ادیان و ادبیات و در شعر اقبال"، اقبالیات (فارسی) شمارہ اول فروری
۱۹۸۶ء ص ۷۸-۱۲۲

صفیاری، شہین دخت مقدم، ڈاکٹر

- "سخنی دربارہ جاویدان اقبال، ترجمہ زندہ رود، اثر دکتر جاوید اقبال"، اقبالیات (فارسی)، شمارہ اول فروری ۱۹۸۶ء، ص ۱۸۹ - ۲۰۱

ع

عطاء الرحیم، ڈاکٹر سید

- "کیا اقبال فلسفی تھے؟"، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶ : شس ۴، ص ۹۵ - ۱۰۷

عقیل، معین الدین

- "بعض شخصیات و تحریکات سے اقبال کی دلچسپی"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۵ء، ج ۲۵ : ش ۴ ص ۳۱ - ۴۰

عمر، محمد سہیل / احمد جاوید

- "پیام مشرق، چند اشعار کا ترجمہ و فرہنگ"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء، ج ۲۶ : شس ۲، ص ۱۰۹ - ۱۱۶

عمر، محمد سہیل

- مترجم "غزالی کے فلسفے میں تشکیک کی معنویت اور اہمیت"، از عثمان بکر، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶ : شس ۴، ص ۶۹ - ۸۶
- تبصرہ بر "اقبال کا تصور اجتہاد" از ڈاکٹر خالد مسعود، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷ : ش ۲، ص ۳۱۳ - ۳۱۸
- تبصرہ بر "غایۃ الامکان فی درایۃ المکان" از عین القضاۃ ہمدانی (ترجمہ لطف اللہ)، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶ : شس ۴، ص ۱۹۳ - ۲۰۳

عمر، محمد سہیل / حسن عبد الحکیم

- مترجم، تبصرہ بر "تصوف اور تاؤمت" از توشیہیکو ایزوتسو، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶ : شس ۴، ص ۲۱۵ - ۲۲۴

عمر، محمد سہیل / محمد اطہر طاہر

- مترجم، تبصرہ بر "شاعری اور پارسائی - حکیم سنائی کے کلام کا مطالعہ"، از جے ٹی پی ڈی بروئیا اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷ : ش ۲، ص ۳۱۹ - ۳۲۳

- تبصرہ بر "اسلامی حکومت میں یہود" از امنوں کوہن، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷ ؛ ش ۲، ص ۲۲۵ - ۲۳۹

ف

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر

- "عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق"، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶ ؛ شس ۴، ص ۸۷ - ۹۴

فراقی، تحسین

- "جلوہ خوں گشت و نگاہے بہ تماشا نہ رسید"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۴ء، ج ۲۵ ؛ شس ۲، ص ۱۹۱ - ۲۲۳
- تبصرہ بر "مطالب اقبال" از انور داؤدی، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷ ؛ ش ۲، ص ۲۸۵ - ۳۰۲

فریدنی، محمد حسین مشائخ

- "تجاذبہ ھای کلام اقبال برای ایرانیان"، اقبالیات (فارسی) فروری ۱۹۸۶ء، ص ۱ - ۱۱

ق

قادری، نور محمد، سید

- "حلقہ نظام المشائخ اور علامہ اقبال"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴ ؛ ش ۲، ص ۱۷ - ۲۴
- "علامہ اقبال کی عقیدت صوفیائے عظام سے"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴ ؛ ش ۴، ص ۱ - ۲۵
- "اقبال کا ایک ہم عصر (منشی میراں بخش جلوہ سیالکوٹی)"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۴ء، ج ۲۵ ؛ ش ۲، ص ۴۹ - ۶۵

قریشی، افضل حق

- "اقبال کا ایک قطعہ تاریخ"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴، ش ۲، ص ۱۲۷-۱۲۹

- "اقبال اور عبدالمجید قرشی"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴، ش ۴، ص ۲۴۵-۲۶۵

قریشی، سمیع اللہ

- "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: مظہر تکمیل نبوت و رسالت"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴، ش ۲، ص ۱-۱۶

- "اقبال اور استعمار"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴، ش ۴، ص ۵۳-۸۰

قریشی، ڈاکٹر اکبر حسین

- "کلام اقبال میں حیوانات کا تذکرہ"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷، ش ۲، ص ۱۸۱-۲۲۹

ک

کلیم، سعد اللہ

- "علامہ اقبال کی اردو غزل اور انسانی عظمت کا تصور"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴، ش ۴، ص ۱۵۹-۱۷۴

کیانی، تعلیم اختر

- "سلام بحضور شاعر مشرق"، (نظم)، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴، ش ۲، ص ۱۳۱

م

مجی، منوچہر خدایار

- "جبر و اختیار"، اقبالیات (فارسی)، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۵۱-۶۸

محمد اسلم

- "احسن الاقوال کی تاریخی اور سماجی اہمیت"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴، ش ۴، ص ۱۳۳-۱۸۵

- "الدر المنظوم کی تاریخی، مذہبی اور سماجی اہمیت"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۴ء، ج ۲۵، ش ۲، ص ۱۱۷-۱۴۳

محمد حامد

- "اقبال کا نظریۂ فن"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۵ء، ج ۲۵؛ ش ۴، ص ۱ - ۳۰

محمد ریاض، ڈاکٹر

- "مثنوی گلشن راز جدید، اور دیگر تصانیف اقبال (ایک تقابلی نظر)"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۵؛ ش ۲، ص ۵۷ - ۹۰
- "اقبال ایران کی درسی کتب میں"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷؛ ش ۲، ص ۱۵۳ - ۱۶۹

محمد منوّر، پروفیسر

- "علامہ اقبال اور آدم کی خودگریزی"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴؛ ش ۲، ص ۴۹ - ۶۳
- "علامہ اقبال — تاریخ ساز فرد"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴؛ ش ۴، ص ۱۶۵ - ۱۸۷
- "مرزا عبد القادر بیدل — مدرس خودی"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۴ء، ج ۲۵؛ ش ۲، ص ۱۱۷ - ۱۴۳
- "حیات سیاسی و اجتماعی غرب از نظر اقبال"، اقبالیات (فارسی) فروری ۱۹۸۶ء، ص ۱۶۵ - ۱۸۰

مختار جاوید

- تبصرہ بر "پروفیسر مولوی حاکم علی (مرحوم)" از محمد صدیق، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴؛ ش ۴، ص ۲۶۷

معین الرحمٰن، سیّد

- "یونیورسٹی میں مطالعۂ اقبال"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴؛ ش ۴، ص ۹۱ - ۱۲۱

مغل، محمد یعقوب

- "علامہ اقبال اور ترکی"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴؛ ش ۴، ص ۸۱ - ۹۰

مظفر حسن، ڈاکٹر ملک

- "انفرادی تہذیب اقبال کی نظر میں"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷؛ ش ۲، ص ۹۵ - ۱۱۸

ن

نادر قمبرانی

- "علامہ اقبال اور بلوچی ادب"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴؛ ش ۴، ص ۱۲۳ - ۱۳۲

نعیم احمد

- "فلسفہ یونان کا پھیلاؤ اور مسلم فلسفے کی نمو پذیری"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء، ج ۲۶؛ ش ۲، ص ۱۰۳ - ۱۸۹

و

وفا راشدی

- "اقبال اور وحشت"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴؛ ش ۲، ص ۳۵ - ۴۷

وحید قریشی، ڈاکٹر

"علامہ اقبال کا تصورِ وطنیت"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴: ش ۲، ص ۲۵-۴۴

وحید عشرت، ڈاکٹر

- "اشاعرہ"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۵ء، ج ۲۵: ش ۴، ص ۱۳۹-۱۹۲
- تبصرہ بر "مطالعہ اقبال کے چند پہلو" از میرزا ادیب، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء، ج ۲۶: ش ۲، ص ۲۰۳-۲۰۵
- تبصرہ بر "جامعہ عثمانیہ" از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء
- تبصرہ بر "توضیحی فہرست کتب خانہ ہمدرد" از حکیم نعیم الدین زبیری، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء، ج ۲۶: ش ۲، ص ۲۰۷
- "اقبال اور جمہوریت"، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶: ش ۴، ص ۱۰۹-۱۴۴
- تبصرہ بر "فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو" از پروفیسر محمد عثمان، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶: ش ۴، ص ۱۷۵-۱۸۵
- "علامہ اقبال و قائد اعظم، فکر و عمل کا قران السعدین"، اقبالیات (فارسی)، شمارہ اول، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۱۸۱-۱۸۷
- تبصرہ بر "منظوم اقبال" از شیخ اعجاز احمد، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷: ش ۲، ص ۳۳۱-۳۴۸

ہ

ہاشمی، ڈاکٹر رفیع الدین

- تبصرہ بر مجلہ "اقبال ریویو"، (حیدر آباد دکن)، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴: ش ۲، ص ۱۷۳-۱۷۵
- تبصرہ بر مجلہ "اقبالیات"، (سری نگر کشمیر)، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۲۴: ش ۲، ص ۱۷۵-۱۷۶
- "علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ رقعات بنام پروین رقم"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴: ش ۴، ص ۲۱۳-۲۲۰
- تبصرہ بر "نقشِ اقبال"، از پروفیسر اسلوب احمد انصاری، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴: ش ۴، ص ۲۶۹
- تبصرہ بر "اقبال آشنائی"، از ڈاکٹر حاتم رام پوری، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۲۴: ش ۴، ص ۲۷۰
- "بھارت میں مطالعۂ اقبال — دو زاویے"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۴ء، ج ۲۵: ش ۲، ص ۱۷۱-۱۸۹
- "۱۹۸۴ء کے اقبالیاتی ادب کا جائزہ"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء، ج ۲۶: ش ۲، ص ۵۵-۱۰۷

- "اقبال پر یادگار ایک عالمی اجتماع"، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷، ش ۲، ص ۲۶۳ - ۲۷۶

ی

یزدانی، ڈاکٹر خواجہ حمید

- "مثنوی رومی میں ذکرِ رسولؐ (دفتر پنجم)"، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۴ء، ج ۲۵، ش ۲، ص ۱ - ۳۰
- "مثنوی رومی میں ذکرِ رسولؐ (دفتر ششم)"، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۵ء، ج ۲۵، ش ۴، ص ۴۱ - ۸۰
- مترجم "برصغیر اور ایران کی ثقافت میں تصوّف اور فلسفے کا باہمی تعلق"، از سید حسین نصر، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء، ج ۲۶، ش ۲، ص ۱۵۵ - ۱۶۱
- تبصرہ بر "علم کو اسلامی کرنا" از اسماعیل راجی الفاروقی، تبصرہ فارسی: دکتر ہادی شریفی، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۵ء، ج ۲۶، ش ۲، ص ۱۹۳ - ۲۰۲
- "موارد طنز و ذم در مثنوی و شعر مولوی"، اقبالیات (فارسی)، شمارہ اول، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۱۲۳ - ۱۵۰
- "اقبال اور مسعود سعد سلمان"، اقبالیات، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۲۶، ش ۴، ص ۱۷ - ۵۱
- تبصرہ بر "گلستان عجم" از ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب، اقبالیات، جولائی ۱۹۸۶ء، ج ۲۷، ش ۲، ص ۳۰۳ - ۳۱۱

یمین، ڈاکٹر آغا

- "درحضور رسالتمآبؐ" (نظم) اقبالیات (فارسی) شمارہ اول، فروری ۱۹۸۶ء ص ۱۸۸

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

اقبال